ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

عصرِ حاضر کی اردو غزل میں کربِ ذات کا بیانیہ

***ڈاکٹر نورین رزاق**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور
****ڈاکٹر نائیلہ انجم**
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور
***** منیزہ سہیل**
ایم ایس سکالر، شعبۂ اُردو ،لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

ABSTRACT:
In modern era of 21st century, Urdu poetry is influenced by internal and external environment and conditions of the world around us. Practiced throughout history, in every culture and on every continent, poetry speaks to our common humanity and our shared values, transforming the simplest of poems into a powerful catalyst for dialogue and peace. There are many other modern Urdu poets who not only talk about love or longing for a lover, but also their poetic deliverance appeared to be a critique of society, spirituality and an individual's grief. Thus, it is not only joy that poets can communicate with their verses, but also sadness, despair, anguish, pain, doubt, hatred, love, compassion, desire, admiration, faith, veneration, and hope. They can also communicate all the feelings and emotions that, in general, can have a place in the soul of a human being.

اردو کی روایتی اور جدید شاعری کا مطالعہ ہمیں انسان کے جذبات اظہار کے حوالے سے تین مختلف اقسام کی شعری روایات کے ساتھ متعارف کرواتا ہے۔ان میں سے پہلی قسم وہی نیم فلسفیانہ اور نیم مذہبی روایت کی ہے جو افرادِ معاشرہ کو اس مادی دنیا کے مختلف تقاضوں کے حوالے سے اور مذہب و فلسفہ کی تعلیمات کے حوالے سے تصادم، الجھن اور کشمکش کا شکار ہی بنائے رکھتی ہے۔دوسری روایت وہ ہے جس کا تعلق براہِ راست انسان کی جبلّت اور اس کے جنسی ہیجان کے ساتھ ہے۔یہ جبلّت اور جنسی ہیجان ہی ہے جو ہمارے مشرقی معاشرے میں بالخصوص بے شمار ذہنی مسائل کا باعث ہے۔تیسری روایت ایک فرد کی فکری، حسّیاتی اور جذباتی روایت ہے۔اس روایت کا تعلق صرف اور صرف ایک فرد کے ذاتی جذبات، احساسات اور تجربات کے ساتھ ہے۔بنیادی طور پر غزل ایک انفرادی عمل ہے لیکن اس کے جذبات کی عمومیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔یہی عمومیت انسان کی فطرت اور اس کی جبلّت میں بھی واضح ہے۔غزل کے فن کی عُمومیت ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں پر محیط ہے۔قدیم غزل ہو یا جدید اس کی اپنی ایک تہذیب ہے۔وہ اشاروں اور کنایوں میں بات کرتی ہے' اونچی آواز میں نہیں بولتی' اس کا کمال گویائی برہنہ حرفی نہیں' پیام زیر لبی ہے۔غزل کا فن نہ سینہ کوبی ہے نہ قہقہہ لگانا۔وہ ایک آنسو ہے پلکوں پر ٹھہرا ہوا' ایک تبسّم ہونٹوں پر پھیلا ہوا۔کبھی اس کے تبسّم میں اشکوں کی نمی ہوتی ہے اور کبھی اشکوں میں تبسّم کی جھلک۔ ہر تخلیق کار کی تخلیق کی بنیاد کوئی نہ کوئی شدید جذبہ ہی ہوا کرتا ہے۔خاص طور پر شاعری کے ذریعے اپنے باطن کا کتھارسس دراصل ایک فرد کے احساسِ محرومی، ناآسودگی اور ماحول کی گھٹن سے جنم لیتا ہے۔اگرچہ یہ امر لازم نہیں ہے کہ ہر تخلیق کار کی تمام تر تخلیقات اس کی ذاتی محرومیوں، ناآسودگیوں یا ناسازگار حالات کے باعث ہی تخلیق کی گئی ہوں بلکہ شاعری کے ذریعے اپنی مسرتوں، آسودگیوں اور خوشیوں کا اظہار بھی ادب کا ایک حصہ ہے۔مسعود حسن رضوی لکھتے ہیں:

> دنیا کی ساری رونق اور چہل پہل جذبات ہی کے دم سے ہے اور انسانی معاشرت کی عمارت جذبات ہی کی بنیاد پر ہے۔اس سے قطع نظر جذبات بھی آخر نفسِ انسانی کا جز ہیں۔[1]

جس طرح ہر فرد کی سوچ اور اس کی شخصیت دوسرے افراد سے مختلف ہوا کرتی ہے بالکل اسی طرح ہر ادیب اور ہر شاعر بھی بالکل منفرد اور جداگانہ انداز میں اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرتا نظر آتا ہے۔تاہم غم، سوز، اور ناآسودگی کسی بھی فن پارے کے ذریعے اظہار پاکر دیرپا اثرات چھوڑ جاتی ہیں۔ایسا ادب جو انسان کے باطن کی آواز بن کر تخلیق پاتا ہے، وہ پڑھنے والوں کو بھی اس طرح اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے کہ مصداق بے شمار دلوں کی آواز بن جاتا ہے۔بقول ڈاکٹر سلیم اختر:

> جہاں تک تخلیق سے وابستہ تخلیقی محرک اور تخلیقی عمل کا تعلق ہے، تو لاشعور چوں کہ ان کا منبع ہوتا ہے اسی لیے ان کا اظہار شدید ترین صورت میں جنم لیتا ہے اور اسی سے ان کا رنگ چوکھا ہوتا ہے۔[2]

جدید شاعری نے جس طرح تخلیق کے ذریعے انسان کی تشنہ خواہشوں، اس کے نہاں خانۂ دل کی اذیتوں، معاشرتی مسائل، جبر و تشدد، صنفی امتیازات کو کبھی بالواسطہ اور کبھی بلاواسطہ بیان کیا ہے، اس نے ادب کو بے شمار وسعتوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔کربِ ذات کے اظہار کے حوالوں سے انسان کے باطن تک رسائی اور پھر اس کے مسائل کا حل بھی جدید دور میں انتہائی اہمیت اختیار کر چکا ہے۔ادب کے نفسیاتی دبستان کے تناظر میں ہر فرد کی تمنائیں، خواہشیں اور اس کے آباؤاجداد کے ساتھ ساتھ اس کے اپنے تجربات جو وہ بچپن سے لے کر اپنی عمر کے آخری دور تک حاصل کرتا ہے وہی مختلف تخلیقات کی صورت سامنے آتی ہیں۔ادب چاہے المیہ ہو یا طربیہ یہ شدید ترین احساسات کی صورت میں ہی جنم لیتا ہے۔

عصرِ حاضر نے جہاں انسان کو سائنس، ٹیکنالوجی اور معاشرت کی جدت طرازیوں سے بہرہ ور کیا ہے وہیں اپنی ذات کے حوالے سے اپنے رنج و آلام، اپنی اذیتوں اور اپنے باطن کے کرب کے اظہار کا سلیقہ بھی عطا کیا ہے کیوں کہ زندگی کا تعلق یقین سے بھی ہے اور بدگمانی سے بھی، زندگی کا تعلق نفرت سے بھی ہے اور مایوسی سے بھی، زندگی کا تعلق آہ و بکا سے بھی ہے اور سسکیوں سے بھی، یہ زندگی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

کبھی انسان کو خود کلامی پر مجبور کرتی ہے تو کبھی اس کا وجود زمانے کو فلک گیر نالہ و فریاد سے جھنجوڑنے پر مجبور کرتا ہے، کبھی انا کی لو اس کے احساس کو آنچ دکھاتی ہے تو کبھی انکسار کی نرمی اسے اوس کی بوند میں تبدیل کر دیتی ہے، نئی غزل میں بھی اپنی ذات کے کرب کے حوالے سے یہ تمام کیفیات ملتی ہیں۔

دورِ حاضر میں انسان اس قدر ناخوش اور غیر مطمئن کیوں ہے؟ آسائشوں کی فراوانی کے باوجود ان دیکھی کسک، اداسی اس کی شخصیت کو کیوں گھیرے رکھتی ہے؟ یہی سوال شاعر پر انسانی ذہن و دل کے مزید میلانات اور رجحانات کو روشناس کرتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان کے باطن کی خواہشات، اس کی امنگیں جس طرح کی زندگی کا تقاضا کرتی ہیں، ہماری سماجی اور معاشرتی ذمہ داریاں اس کے برعکس ہمیں ایک دوسرے راستے پر گامزن دیکھنا چاہتی ہیں اور وہ راستہ خواہشات، خوابوں اور آرزوؤں کے بجائے فرائض، غمِ دوراں، اور ذمہ داریوں کی چکی میں پسنے کا راستہ ہے۔ شعر دیکھیے:

شکم کی آگ لیے پھر رہی ہے شہر بہ شہر
سگِ زمانہ ہیں، ہم کیا ہماری ہجرت کیا ۳

دل میں اک خواب حسیں ، ذہن میں اندوہِ معاش
اور دروازے پہ ایّام کی پیہم دستک ۴

چند سانسیں خریدنے کے لیے
زندگی روز بیچتا ہوں تجھے ۵

جتنے اسباب طرب دہر میں ہیں سب موجود
کیا تقاضا ہے ترا طبعِ حزیں نامعلوم ۶

زندگی کے میکانکی عمل نے جس طرح افراد کو فکرِ معاش میں سرگرداں کر رکھا ہے وہ بھی اس کی ناآسودگی کی وجہ ہے۔ جب فرد کو اپنی ذات کے لیے وقت نہیں ملتا اور وہ ذمہ داریوں کے چکر میں کنوئیں کے بیل کی مانند گھومتا رہتا ہے تو اس کا دل اور دماغ عجب تشنگی کا شکار رہتا ہے۔ اس کیفیت سے ہر وہ فرد دوچار رہتا ہے جو زندگی کی دوڑ میں کچھ پل فطرت کے نام، ادب کے نام، سیاحت کے نام نہیں کر پاتا۔ مادی زندگی کی دوڑ میں روح اور دل کی تسکین کا کوئی سامان اسے نظر نہیں آتا۔ خواہشات اور ضروریات کے آلام نے زندگی کو جس طرح مشکل بنا رکھا ہے اس میں اکثر اوقات انسان کی اصل شخصیت کہیں گم ہو جاتی ہے۔ زندگی کی اس مادی دوڑ میں انسان کا اصل روپ ختم ہو جاتا ہے۔ درج ذیل اشعار میں آہستہ آہستہ سلگنے کی کیفیت دیکھیے:

ایک مسلسل بے مزگی کا دور ہے شاہینؔ
جیتے ہیں اور جینے سے بیزاری بھی ہے ۷

ہوا سکوں بھی میسّر تو اضطراب رہا
دلِ خراب ہمیشہ دلِ خراب رہا ۸

آرزو کی چنگاری کب تلک سلگ سکتی
بجھ گیا ہے دل آخر، بار بار چلنے سے ۹

نفسا نفسی، فکرِ معاش، فرد کی موت تک نہ ختم ہونے والی دوڑ کس قدر اکتا دینے والی اور تھکا دینے والی کیفیات ہیں۔ یہ کیفیات انسانی بدن کو نہیں بلکہ انسانی ذہن کو تھکا دیتی ہیں ۔ انسان اپنے باطن اور ظاہر کی جنگ میں خود اپنے آپ کو بھی سمجھنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اس کا ظاہری رویہ چاہے کتنا ہی تلخ اور تند ہو لیکن اندر ہی اندر ان جانے خوف اس کی جان کا روگ بن جاتے ہیں۔ ان جانے خوف اور وہم بسا اوقات شدید ذہنی کیفیات کو بھی جنم دیتے ہیں۔ انسان کے باطن میں ایک کسک موجود رہتی ہے۔ اسے احساسِ شکست خوردگی یا انکساری کا نام بھی دیا جا سکتا ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ شاعر کے اندر ایک خوف ہے۔ معاشرتی خوف۔ وہ چاہتا ہے کہ ہر کام بالا بالا ہو جائے۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ اور تو اور محبوب بھی اگر اس بات سے بے خبر رہے تو اچھا ہے۔ اس میں اپنی ذات سے گریز کا ایک پہلو بھی نکلتا ہے اور خود اذیتی کی ایک دبی دبی خواہش بھی۔ اکثر توزمان و مکاں اُس کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ کہیں شادمانی کا عنصر ماحول پر غالب آجاتا ہے تو کہیں اندر کی جھجک، انکسار، خود اذیتی، معاشرتی خوف، شاعر کے اندر کے انسان کی انا کا پرتو سارے پر چھا جاتا ہے۔۔ اپنے رنج و الم کا، اپنی ذات کے کرب کا، اپنی محرومیوں کا، اپنی اداسی کا اظہار کرنے کے لیے یہ فرصت بھی میسر نہیں کہ انسان کسی ہمدم کے پاس بیٹھ کر چار آنسو ہی بہا لے۔ دل کی کیفیت جو بھی ہے، چاہے خون کے آنسو رو رہا ہے لیکن انسان اپنے چہرے پر وہی ساکن تاثرات، وہی جامد خموشی لیے چل رہا ہے۔ تزکیہ نفس کی بھی توفیق نہیں ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

سخت ہوتا جا رہا ہے زندگی کا امتحاں
چند خوابوں کی رعایت دے ہمیں عمرِ رواں ۱۰؎

ہمیں تو ایک ہی موسم ہے راس، موسمِ درد
بہار کیا ہے؟ خزاں کیا ہمیں نہیں معلوم ۱۱؎

لہو دینے لگی ہے چشمِ خوں بستہ سو اِس بار
بھری آنکھوں سے خوابوں کو رہا کرنا پڑے گا ۱۲؎

محسوسات کی زبان ہمیشہ ہر قسم کے لسانی تکلفات سے عاری ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر بھی اپنے باطن کا بیان کرتے ہوئے کسی بھی قسم کے تصنع یا بناوٹ سے کام نہیں لیتا۔ انسان ساری عمر اپنی خواہشات کا اسیر رہتا ہے۔ یہی خواہشات اس کی نا آسودگی اور اداسی کا بھی سبب بن جاتی ہیں۔ جدید غزل میں احساسِ زیاں اور پچھتاوے کی کسک کا اظہار نظر آتا ہے۔ انسان بعض خواہشات کی بندگی میں بے شمار اہم لمحات گم کر بیٹھتا ہے مگر بعد میں یہ کیفیت اسے ملال اور تاسف میں مبتلا کر دیتی ہے۔

کاش ہم نے بھی سنی ہوتی کبھی دل کی پکار
چاہتی تھی ہم سے جو دنیا، وہی کرتے رہے
اب بتائیں بھی تو کیسے، دل کے بجھنے کا سبب
ہم کہ اپنے آپ سے پہلو تہی کرتے رہے ۱۳؎

انسان اس دنیا کے جھمیلوں میں اپنی خوشیوں، اپنے ذہن و دل کی پکار، اپنی خواہشات اور اپنی ترجیحات کو محض اس لیے قربان کرتا چلا جاتا ہے کہ لوگوں کو مطمئن کر سکے۔ ایک صورتِ حال یہ بھی ہے کہ معاشرتی پابندیاں، اقدار، رسوم و رواج کے بندھن بھی انسان کو ایک دائرے کا اسیر بنا رکھتے ہیں اور یہی خوف کی کیفیت اسے اپنی ذات کے بجائے دنیا کی مرضی کی راہ پر چلتے رہنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اپنی ذات کی تسکین کے بجائے محض نظریۂ ضرورت کے ہاتھوں کھلونا بننے کی کیفیت بالآخر دل کے بجھنے کا باعث بن جاتی ہے۔ اداسی، دل کی پژمردگی اور لاچارگی کی تکلیف دہ حالت پشیمانی کے سوا کچھ بھی نہیں دیتی:

بہت نازک ہے اس کا قرب لیکن
وہ مجھ پر بوجھ بنتا جا رہا ہے ۱۴؎

درج ذیل اشعار ملاحظہ کیجیے جن میں شاعر کا بے ساختہ انداز کیسے انسانی زندگی کی اس تلخ حقیقت کا اظہار کر رہا ہے کہ وہی آرزوئیں، امنگیں اور مقصدِ حیات جیسی اہمیت رکھنے والی خواہشیں بھی بعض اوقات انسان کو بوجھ محسوس ہوتی ہیں۔ جذبات و احساسات بھی انسان کی زندگی کے بدلتے ہوئے تقاضوں کے ساتھ کئی رنگ بدلتے ہیں۔ وہی رشتے اور تعلقات جو کبھی انسان کو اپنے وجود کے لیے آکسیجن کی طرح ناگزیر محسوس ہوتے ہیں، کسی مرحلے پہ بوجھ بھی محسوس ہو سکتے ہیں۔

کسی نے پھر اُسے زندہ نہ دیکھا
یہاں جو مر گیا، وہ مر گیا ہے ۱۵؎

بہم ہوئے مگر دل کی وحشتیں نہ گئیں
وصال میں بھی دلوں کا غبار کب نکلا ۱۶؎

جذبات و احساسات، خواہشات، آرزوئیں اور امنگیں انسان کو صحیح معنوں میں اس زندگی کے ساتھ وابستہ رکھتی ہیں۔ تواتر کے ساتھ خواہشات کی نا آسودگی کے باعث کوئی فرد زندہ ہونے کے باوجود اپنے وجود کی موت کا نوحہ پڑھنے لگتا ہے۔ کیوں کہ یہ ایک اہم حقیقت ہے کہ زندگی تو زندہ دلی سے مشروط ہے۔ اگر دل اور دل کی تمنائیں ہی مر جائیں تو پھر جینا مرنا چہ معنی؟

اپنے خدوخال بھی مدھم نظر آنے لگے
دل کے آئینے کو یوں دھندلا گیا غم کا دھواں ۱۷؎

تنہائی کا احساس ہمارے عہد کا ایک ایسا مسئلہ ہے جس سے ہر کوئی دوچار ہے۔ اس تنہائی کے احساس سے کوئی خوش ہے تو کوئی پریشان۔ ایک بے حد حساس فرد کی اداسی، تنہائی، نارسائی، بے توقیری کا احساس، یہ سب کچھ عہدِ حاضر کی زندگی کا معمول بن کر شعرا کے ہاں اپنی ذات کی نفی اور بعض اوقات اپنی ذات سے گریز بھی نظر آتا ہے۔ دورِ حاضر کے پر آشوب ماحول نے یوں تو ہر فرد کو ہی عجب مخمصوں میں ڈال رکھا ہے تاہم ایک شاعر اپنی حساسیت کے باعث بدلتے ہوئے رویوں کو جس طرح دیکھتا اور محسوس کرتا ہے اور پھر جس طرح ان کو الفاظ کے قالب میں ڈھالتا ہے، وہ بہت سے قارئین کو اپنے ہی دل کی آواز لگتا ہے۔ آج کا انسان ترقی کی دوڑ میں ایک گھن چکر بنا ہوا ہے۔ چکروں کے اس دائرے میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ وقت کی پرواز میں وہ سرعت ہے کہ کاروانِ وجود کو ٹھہراؤ نصیب نہیں ہوتا۔ ایک حاصل کے بعد ایک اور لاحاصل کی تڑپ اسے سکون لینے نہیں دیتی۔ اپنی ذات کی تشنگی، اپنے باطن کا خلا، اپنے وجود کے نامکمل ہونے کا احساس ہمارے معاشرے میں اس قدر بڑھ چکا ہے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود کم

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

مایئگی کا احساس جان نہیں چھوڑتا:

اس سے باتیں کرتا ہوں اس سے باتیں کرتا ہوں
ایک جھمیلا ہوتی ہے میری ذات اکیلے میں ۱۸؎

تنہائی نہیں جاتی حالانکہ ہم اپنے کو
بازار دکھاتے ہیں باغات گھماتے ہیں ۱۹؎

تنہائی کے احساس کے علاوہ تنہائی کی خواہش بھی آج کے دور کا ایک تحفہ ہے۔ لوگوں کے ہجوم کے باوجود اجنبیت کا احساس شاعر کو اس احساس سے دوچار کرتا ہے کہ گھر کے قید خانے میں آزادی کا سامان تنہائی کی محفل ہے۔ وہ محفل جس میں ہنگامے ہی ہنگامے ہوتے ہیں، گزری یادوں کے ہنگامے، بھولے بسرے لوگوں کے ہنگامے، ذہن و دل کی تمناؤں کے ہنگامے، اپنے افکار کے ہنگامے۔ تنہائی بھی جب انجمن بن جائے تو ایک حساس فرد کے لیے جینے کے سب سامان کا نعم البدل بن جاتی ہے۔

یہ بھی لازم ہے وہ بھی لازم ہے
کیسی مشکل میں ابنِ آدم ہے ۲۰؎

مجھے تنہائیوں کی دھوپ لا دو
کسی کے سائے میں مرجھا گئی ہوں ۲۱؎

کشمکش انسانی ذہن و دل کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ زندگی بھر جمع و تفریق کا مسلسل عمل، مثبت اور منفی کا تصادم، حاصل اور لاحاصل کی الجھنیں، خواب اور حقیقت کے تضادات اسے الجھائے ہی رکھتے ہیں۔ اکثر اوقات ایک فرد ایسے مقام پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ جب اسے اپنی ہی ذات کے مخمصے سمجھ میں نہیں آتے۔ ان جانی سوچ میں گم، بے معنی افکار میں غلطاں۔

چشمِ وا میں تو وہی منظر خالی ہے، جو تھا
موند لوں آنکھ تو کیا کیا نظر آتا ہے مجھے ۲۲؎

جیسے کوئی جسم کے اندر دیواریں سی توڑتا ہے
دیکھو اس پاگل وحشی کو، روکو اس دیوانے کو ۲۳؎

اگرچہ دورِ حاضر کی غزل میں تنہائی کا ذکر کوئی نیا موضوع نہیں ہے بلکہ عروجِ آدم خاکی نے زندگی کے ہر شعبے کو جس قدر برق رفتاری سے آشنا کیا ہے، اتنی ہی تیزی کے ساتھ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی دوڑ اور ہوس نے اسے اپنی تہذیب و اقدار سے بھی بے گانہ بنا دیا ہے۔ اس نئے دور کے انسان نے ترقی کی منازل تو ضرور طے کر لی ہیں لیکن اس کی آنکھوں سے اس کی اپنی منزل اوجھل کر دی ہے خود پرستی، گریز، احساسِ برتری، احساسِ کمتری نے انسان کے ذہن کی وہ درگت بنائی ہے کہ مسلسل جدوجہد میں سرگرداں رہنے کے باعث وہ خود سے ہی اجنبی بن چکا ہے۔ اس کے تمام رشتے ناتے معدوم ہو چکے اور وہ اپنائیت، قربت اور محبت کے احساسات سے عاری ہو گیا۔ اسی خود پرستی نے فرار اور تنہائی کی کیفیت کو فروغ دیا اور یہی تنہائی جدید دور کے انسان کا مقدر ہو گئی ہے۔

یہ کشمکش الگ ہے کہ کس کشمکش میں ہوں
آتا نہیں سمجھ میں، بہت سوچتا ہوں میں ۲۴؎

لیے تو پھرتا ہوں یک موسم وجود کو
بہار رہے کہ خزاں ہے مجھے نہیں معلوم
گزرتا جاتا ہوں یک عرصۂ گریز سے میں
یہ لامکاں کہ مکاں ہے مجھے نہیں معلوم ۲۵؎

انسانی زندگی کا تمام تر دورانیہ ایک فرد کی اس کے ماحول کے ساتھ مسلسل برسرِ پیکار رہنے اور اس کو سمجھنے کی کشمکش کا نام ہے۔ معاشرے یا حالات کے ناساز گار ہونے کی صورت میں بھی بہت سے سوالات اور الجھنیں ایک فرد کو کوفت میں مبتلا رکھتی ہیں۔ وہ یقین اور گمان کے بیچ کھڑا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اپنے وجود کی ناآسودگی اور زندگی کے جھمیلے اسے احساسِ محرومی کے ساتھ تحیر زدہ ہی چھوڑ جاتے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

اپنی تعمیر کے پیچیدہ مراحل میں ہوں
ایک مدت سے تضادات کی منزل میں ہوں ۲۶

جو بھی یکجا ہے، بکھرتا نظر آتا ہے مجھے
جانے یوں ہے بھی کہ ایسا نظر آتا ہے مجھے ۲۷

شکستہ اقدار اور تلخ حقائق کی آویزش متضاد تصورات کے ساتھ پوری شدت کے ساتھ ذہن انسانی کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ گویا یہ ایک فرد اور پورے سماج کی کشمکش بھی ہے اور زندگی میں معنی و مفاہیم کی جستجو اور تلاش کی الجھن بھی۔ انسانی ذہن جب توازن کے مختلف مفاہیم کی تپش سے گھبرا جاتا ہے تو پھر وہی بے چینی اور اضطراب ہی اس کے ہاتھ آتے ہیں۔ ذہن انسانی مختلف حقائق کے بارے میں تشکیک کا شکار ہو کر بھی اپنے اس (Dilemma) کا اظہار کرتا ہے جو کشمکش کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے:

مرے احساس کی سمتیں ہیں مبہم
کہ جیسے نیند میں چلنے لگی ہوں ۲۸

میرے سینے سے ذرا کان لگا کر دیکھو
سانس چلتی ہیں کہ زنجیر زنی ہوتی ہے ۲۹

میرے آنسو، میرے اندر ہی گرے
رونے سے جی اور بوجھل ہو گیا ۳۰

زندگی نے جو رنگ ڈھنگ اس نئے دور میں اپنایا ہے اس کے باعث انسان سکون کا متلاشی تو ہے لیکن وہ اس بات کا سراغ نہیں لگا پایا کہ اندر کی بے تابی کا علاج کیسے کرے۔ باہر کی دنیا سے گھبرا کر تنہائی کی راہ اختیار کرے تو اندر کا شور ہنگامے برپا کرتا ہے۔ جدید شعرا نے اپنے تجربات اور مشاہدات کا اظہار اس قدر خوب صورت پیرائے میں کیا ہے کہ یہ ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک تہذیب کی پکار بن گئی ہے۔

اداسی ہماری اردو غزل کا ایک اہم بڑا موضوع ہے لیکن یہ لمحۂ فکریہ بھی ہے کہ آج کے دور کا ہر فرد ایک مبہم اور بیان نہ کر سکنے والی اداسی و کسک میں مبتلا ہے۔ ڈپریشن شاید نئے دور کا وہ تحفہ ہے جو ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن کر ہماری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ اکثر اوقات زندگی میں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایک خلا کا احساس، کچھ کھو دینے کا احساس، بلاوجہ کی اداسی اور گھبراہٹ یوں زندگی کا لازمہ بن جاتی ہے کہ خوشی کا اندیشہ تک نہیں پاس آتا۔ یہ حقیقت بھی ہے کہ ناساز گار اور غیر صحتمندانہ، گھٹے ہوئے ماحول میں پرورش پانے والے افراد بھی اسی ماحول کی طرح گھٹن کا شکار رہتے ہیں اور زندگی بھر کسی ان جانی اداسی اور ان جانے الم کا شکار رہتے ہیں:

ہوئی ایسے سایہ رنج میں مری تربیت
کبھی کوئی وسوسہ طرب نہیں آ سکا ۳۱

یہ دکھ پہلے کبھی جھیلا نہ تھا
اکیلا تھا مگر تنہا نہیں تھا ۳۲

اپنی ذات کے مخمصوں میں گم ایک حساس فرد خود سے بھی خفا نظر آتا ہے۔ زندگی میں بارہا یوں بھی ہوتا ہے کہ ہر مہربان لہجہ بھی گوارا نہیں ہوتا۔ گریز کی کیفیت، تنہائی کی آرزو اس دور کا ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کسی ان جانے دشت کی دشت پیمائی، بے فکری، کی خواہش انسان کو صحرا میں بھٹکے عاشق کی یاد دلاتی ہے۔ ہمارا عہد قحط الرجال کا عہد ہے۔ زندگی کی اقدار کی شکست اور روایات کی زبوں حالی سے ہر ذی شعور نالاں ہے۔ نفسا نفسی کے عالم میں سیل زماں کے مہیب تھپیڑے ہر جذبے، ہر احساس، ہر خواہش کو بہائے لیے جا رہے ہیں۔ ایسے میں انسان جس الجھن اور کشمکش کا شکار ہے اس سے وہ اپنے ہی آپ سے بے گانہ ہو رہا ہے۔ وہ اس بات کو محسوس ضرور کرتا ہے کہ اس کے اندر کا منھ زور انسان اپنی آزادی، اپنی تمناؤں کے حصول اور اپنی حسرتوں کے ملال میں وحشت زدہ ہو رہا ہے۔

بعض اوقات انسان اپنے باطن اور ظاہر کی جنگ میں خود اپنے آپ کو بھی سمجھنے سے اس قدر قاصر ہو جاتا ہے کہ اس کا ظاہری رویہ چاہے کتنا ہی تلخ اور تند ہو لیکن اندر ہی اندر ان جانے خوف اس کی جان کا روگ بن جاتے ہیں۔ ان جانے خوف اور وہم بسا اوقات شدید ذہنی کیفیات کو بھی جنم دیتے ہیں۔

زندگی ایک مسلسل سفر ہے۔ فرصتِ مرہم نہیں، زخم رستے بھی ہوں تو خواہشوں کی ڈور اپنی اور کھینچتی چلی جاتی ہے اور انسان چلتا جاتا ہے۔ یہ نئے دور کا المیہ بھی ہے کہ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے اور ہل من مزید کی آرزو میں سفر تمام ہی نہیں ہوتا، منزل قریب ہی نہیں آتی، چلنا چلنا، مدام چلنا اور کسی پل چین نہ پانا بس یہی زندگی کی حقیقت ہے۔

مسلسل شکست دل کی وجہ سے ایک حساس تخلیق کار کے دل پر قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ ہمارا معاشرہ اس قدر ہولناک صورت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے کہ اسے معاشرتی زندگی کے تضادات، ارتعاشات، اور استحصال کی کوئی پروا ہی نہیں۔ معاشرہ ایسے حالات میں بے حسی کا نمونہ بن جاتا ہے۔ جب کوئی معاشرہ بے حسی کی لپیٹ میں آ جاتا ہے تو، چلتے پھرتے ہوئے مردوں سے ملاقاتیں روز

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

کا معمول بن جاتا ہے۔ ہولناک حادثات کو دیکھ کر بھی لوگ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ ایک تخلیق کار کی جان پر دوہرا عذاب ہوتا ہے اسے ان جان لیوا حادثات کو دیکھنا بھی ہوتا ہے اور اس کے بعد ان کے گمبھیر اثرات کے بارے میں سوچنا بھی ہوتا ہے۔ ایسے میں شاعر اس کیفیت کو محسوس کرتا ہے کہ بظاہر ہنستے مسکراتے چہروں کے اندر دکھوں کی کیسی آنچ تپتی ہے۔ اشعار دیکھیے:

میں اپنے آپ کو کیسے سمیٹوں
اکائی ذات کی بکھری پڑی ہے ۳۳

کاش ہم نے بھی سنی ہوتی کبھی دل کی پکار
چاہتی تھی ہم سے جو دنیا وہی کرتے رہے ۳۴

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ معاشرتی زندگی کی اجتماعی اقدار روبہ زوال ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس دنیا میں سکوں محال ہے اور جہاں تک ثبات کا تعلق ہے یہ تو محض تغیر کو حاصل ہے۔ اقدار و روایات میں رونما ہونے والے پیہم تغیر و تبدل نے تخلیقی عمل کو بھی متاثر کیا ہے۔ شاعری میں ہمیں اپنی ذات کے اظہار کی ضرورت کا احساس بھی نظر آتا ہے۔ جدید نفسیات کی رو سے کتھارسس اس قدر ضروری ہے کہ جذبات کا مناسب اظہار نہ کر سکنے کی صورت میں انسان شدید ذہنی دباؤ اور دیگر مسائل کا شکار ہو سکتا ہے۔ آنسو بہا کر ہی تو دلوں کا بوجھ ہلکا کیا جا سکتا ہے۔

سکوتِ دہر رگوں تک اتر گیا ہوتا
اگر میں شعر نہ کہتا تو مر گیا ہوتا ۳۵

عکس کتنے اتر گئے مجھ میں
پھر نہ جانے کدھر گئے مجھ میں
میں وہ پل تھا جو کھا گیا صدیاں
سب زمانے گزر گئے مجھ میں ۳۶

آج کے پُر آشوب دور میں نوجوان شعرا کی شاعری میں کسک، درد، اضمحلال اور ذات کے کرب کی گہری نشانیاں نظر آتی ہیں لیکن ان کی وسعتِ نظر ایسی ہے جو انسانی نفسیات کی اتھاہ گہرائیوں میں کمال سہولت سے اتر جاتی ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

کتنے احساس لفظ ہیں رکھتے
ہم ہی مطلب شدید لیتے ہیں ۳۷

مل نہ پائے جو اب جیتے جی
ایسا مشکل سوال ہے جینا ۳۸

موجودہ صدی انسانی زندگی کے حقائق، اقدار، روایات اور جذبات و احساسات کے حوالے سے تبدیلیوں کی صدی ہے۔ دور حاضر کا انسان جتنا زیادہ علم و تحقیق کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہے اسی رفتار سے وہ اپنے باطن کی جانب بھی سفر کرنے کی کوشش میں مگن ہے۔ سائنس، فلسفہ و نفسیات کے مختلف نظریات سے آگہی نے اسے خارجی و باطنی دنیا کو ایک مختلف زاویے سے دیکھنے کی راہ دکھائی ہے۔ انسانی نفسیات کو مزید جان لینے کی خواہش کی وجہ سے وہ افکار و خیالات، خوابوں اور کتھارسس کی ضرورت و اہمیت کو زیادہ سمجھتا ہے۔ وہ اپنے باطن کی جانب سفر کی جانب زیادہ دلچسپی کا اظہار کر رہا ہے اور اپنے باطن میں چھپے رنج و آلام، اپنی ذات کے کرب کے بیان کو بھی اہمیت دی جا رہی ہے۔

حوالہ جات

1. مسعود حسن رضوی، ہماری شاعری، پاپولر پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۶
2. سلیم اختر، ڈاکٹر، نفسیاتی تنقید، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۰۷ء، ص ۲۵۶
3. افتخار عارف، کتابِ دل و دنیا۔ کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۱۲ء، ص ۳
4. خورشید رضوی، امکان، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ۳۲
5. اتباف ابرک۔ آفتاب ہوں میں۔ لاہور: تعبیر پبلشرز، ۲۰۲۰ء، ص ۶۱
6. خورشید رضوی، امکان، ص ۴۱
7. حمیدہ شاہین، دستک، لاہور، روز پبلیکیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.6 No.2 2022

8. احمد مشتاق، کلیات، الہ آباد، کتاب گھر، ۲۰۰۴ء، ص ۳۳
9. صابر ظفر، پاتال، کراچی، مکتبہ دانیال، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷
10. حمیدہ شاہین، دستک، ص ۹۱
11. افتخار عارف، کتاب دل و دنیا، ص ۱۹۵
12. افتخار عارف، جہانِ معلوم، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۵ء، ص ۶۰
13. احمد مشتاق، کلیات، ص ۱۷۰
14. صابر ظفر، پاتال، ص ۸
15. ایضاً
16. افتخار عارف، کتابِ دل و دنیا، ص ۵۳
17. حمیدہ شاہین، دستک، ص ۹۱
18. انور شعور، کلیات، کراچی: رنگ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۱۳
19. ایضاً، ص ۱۴۱
20. انتاف ابرک۔ آفتاب ہوں میں، ص ۴۳
21. شبنم شکیل، اضطراب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء، ص ۵۹
22. ابرار احمد، غفلت کے برابر، لاہور: ماورا بکس، ۲۰۰۷ء، ص ۴۵
23. سعود عثمانی، بارش، لاہور: کتب نما پبلشرز، ۲۰۰۷ء، ص ۵۱
24. انور شعود، کلیات، ص ۶۷
25. ابرار احمد، غفلت کے برار، ص ۶۷
26. یاسمین حمید، دوسری زندگی، کراچی: مکتبہ دانیال، ۲۰۰۷ء، ص ۲۴۷
27. صابر ظفر، پاتال، ص ۸
28. یاسمین حمید، دوسری زندگی، ص ۲۴۸
29. عباس تابش، عشق آباد (کلیات)، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۷
30. ایضاً
31. خورشید رضوی، امکان، ص ۴۷
32. سعود عثمانی، بارش، ص ۲۷
33. شہناز مزمل، ندائے عشق، کراچی، رنگِ ادب پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۴۱
34. احمد مشتاق، کلیات، ص ۱۷۰
35. عباس تابش، عشق آباد (کلیات)، ص ۱۰۱
36. عمار اقبال، پرندگی، اسلام آباد: انحراف پبلی کیشنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۶
37. انتاف ابرک۔ آفتاب ہوں میں، ص ۵۴
38. ایضاً، ص ۶۱